© rasailojaraid.com

رئیس احمد جعفری

تنقید و تبصرہ

پاتھ وے ٹو پاکستان

کتنی عجیب بات ہے، بلکہ کتنا بڑا المیہ ہے مسلمانوں نے دنیا کو تاریخ سے روشناس کرایا اور اب وہی تاریخ سے بیگانہ ہوتے جا رہے ہیں، آج کی نئی پود کس طرح اس امر کا یقین کر سکتی ہے کہ ہندوستان کی سیاسی بیداری اور شعور تمام تر مسلمانوں کے جوش و خروش کا رہین منت ہے؟ ہندوستان کی آزادی میں مسلمانوں کی قربانی، ایثار، سرفروشی اور جرأت رندانہ کا بڑا حصہ ہے۔ کانگرس کی تشکیل نو بکثر مسلمانوں ہی کی ممنون کرم ہے، وہ مجلس خلافت تھی، جس نے گاندھی جی کے پہلے ہندوستان گیر دورے کے مصارف خطیر برداشت کئے۔ اس لئے کہ کانگرس کی مالی حالت اتنی کمزور تھی کہ اس بوجھ کا برداشت کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔ وہ مجلس خلافت تھی جس نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی، ترک موالات کی تجویز منظور کی اور اپنے جوش کردار سے بکنگھم پیلس میں زلزلہ برپا کر دیا۔ وہ محمد علی، شوکت علی تھے۔ جنہوں نے علی الاعلان جلسہ عام میں مسلمان سپاہیوں کو بتایا کہ انگریزی فوج میں نوکری حرام ہے، متحدہ ہندوستان میں سب سے پہلے جس منظم سیاسی تحریک کے زعما پر بغاوت کا مقدمہ چلا وہ علی برادران تھے۔ جب گاندھی جی جنوبی افریقہ میں انگریزی فوج کے لئے سپاہی بھرتی کر رہے تھے، جب موتی لال الہ آباد ہائی کورٹ میں، اور سردار ولبھ بھائی پٹیل احمد آباد کی سول اور فوجداری عدالتوں میں پریکٹس کر رہے تھے، جواہر لال الہ آباد میونسپلٹی کے چیئرمین بنے ہوئے تھے، پنت، سمپورنانند، ٹنڈن، وغیرہ۔ ذرۂ ناچیز سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، امیر شریعت مولانا عبدالباری فرنگی محلی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی اور مولانا حسرت موہانی تھے، جو سجن و زنداں کو لبیک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھ رہے اور دار و رسن کا استقبال کر رہے تھے۔ محمد علی نے کہا۔

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

حسرت موہانی نے کہا۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
کیا طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

اس زمانے کے جیل میں سیاسی قیدیوں اور اخلاقی قیدیوں کے مابین کوئی حد فاصل نہیں تھی ——
لیکن آج یہ باتیں نئی نسل کے کتنے نوجوانوں کو معلوم ہیں؟

جب ہندوستان آزاد ہو رہا تھا اور جب ہندوستان آزاد ہو گیا تو چھوٹے بڑے سیاسی لیڈروں اور کارکنوں میں سے بہتوں نے اپنی یادداشتیں سپرد قلم کیں۔ اپنے حالات و سوانح لکھے سیاست ہند کے ماضی و حال پر تبصرہ کیا اور مسلمان اقلیت کے مطالبۂ حق خود ارادیت پر خوب جی بھر کر صلواتیں سنائیں انہیں وطن دشمن ثابت کیا۔ ان کی قربانیوں اور کارناموں کا ذکر کرنا دیانت کے خلاف سمجھا، ان کے نقوش باقیہ کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالنے کی کوشش کی، اور کون کہہ سکتا ہے کہ وہ ناکام ہوئے؟

آپ جواہر لال کی سرگزشت حیات کا ایک ایک حرف پڑھ ڈالئے، ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ کی تاریخ کانگریس کا بامعان نظر مطالعہ کر ڈالئے۔ راجندر پرشاد کی "آتم کتھا" کو خوردبین سے دیکھئے۔ اور اس طرح کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کیجئے، تو جو رائے قائم کرنے پر آپ اپنے تئیں مجبور پائیں گے وہ یہ ہوگی کہ آزادی کا تصور ہندو نے پیدا کیا، آزادی ہندو نے حاصل کی، آزادی کے لئے قربانیاں ہندو نے کیں مسلمانوں نے نہ پھانسی پائی، نہ جوق در جوق، موج در موج اور فوج در فوج جیل گئے، نہ جائیدادیں نیلام کرائیں نہ عدالتوں، یونیورسٹیوں اور کالجوں کا بائیکاٹ کر کے اپنا اور اپنے خاندان کا مستقبل برباد کیا۔ اس سے بڑا جھوٹ اس چرخ نیلگوں کے نیچے، اور اس صفحۂ ارض پر کوئی نہیں بولا جا سکتا۔ لیکن یہی جھوٹ آج سچ ہے۔!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن اس کا سبب ؟

اس کا سبب یہ ہے کہ مسلمان زعما تقریریں بھی کرتے رہے جیل بھی جاتے رہے، پھانسی بھی پاتے رہے، لیکن قلم ہاتھ میں لینے سے ڈرتے رہے، یا ایسی ہنگامی جنگ میں زندگی کے آخری سانس تک مبتلا رہے کہ قلم ہاتھ میں نہ لے سکے، شوکت علی اگر چاہتے تو اپنے سچے اور ناقابل تردید کارناموں پہ اتنی ہی موٹی کتاب لکھ سکتے تھے، جتنے وہ خود تھے لیکن نہیں لکھی۔ محمد علی کامریڈ اور ہمدرد میں موتی بکھیرتے رہے۔ لیکن نہ اپنی سوانح عمری لکھی نہ سیاسیات ہند سے متعلق اپنے تاثرات کتابی صورت میں قلمبند کر سکے حسرت موہانی آزادی ہند کا علم تھے، لیکن یہ عطر فضا میں تحلیل ہوگیا۔ نہ اس نے اپنی تاریخ خود لکھی، نہ کسی اور نے، نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کے کارناموں پہ ایک موٹا سا پردہ پڑ گیا اور جہاد آزادی ہند کا سہرا، کانگرس کے سر بندھ گیا۔

آخری دور میں مسلمان۔ قومیت متحدہ سے، نفور ہو گئے تھے۔ وہ اپنی قومی انفرادیت، ہندو اکثریت میں جذب کرنا نہیں چاہتے تھے۔ وہ ایک مستقل قوم کی حیثیت سے اپنے حق خود ارادیت کے طالب تھے اس تحریک نے قیادت عظمیٰ کا تاج قائد اعظم کے سر پہ رکھا ۳۵ء سے لے کر ۴۷ء تک کی مدت میں انہوں نے مسلم لیگ کے جسم نیم جاں میں نئی زندگی پھونکی اسے حیات نو سے آشنا کیا، مسلمانوں کو بیدار کیا انہیں ایک منظم اور متحد قوم بنایا، پاکستان کو منزل مقصود قرار دیا اور بالآخر اسے حاصل کر لیا۔ ۱۱-۱۲ سال کی مختصر سی مدت میں ایک سوئی ہوئی قوم کا جاگنا، اور اتنے بڑے ملک کا مالک بن جانا، جو اسلامی ممالک میں سب سے بڑا۔ اور دنیا کے بڑے ممالک میں پانچواں ملک ہے ایک معجزہ سے کم نہیں۔ لیکن اس معجزہ کا پس منظر ؟ اس معجزہ کی تاریخ ؟ —— بس اے ہمدم میری آنکھوں میں آنسو آئے جاتے ہیں !!

۳۵ء سے لے کر ۴۷ء تک، قائد اعظم کو، اور مسلم لیگ کے صف اول کے زعما کو بڑی کڑیاں جھیلنا پڑیں، انہیں ہندو سامراج سے بھی برسر پیکار رہنا پڑا اور فرنگی استعمار سے بھی۔ انہیں زک دینے کے لئے، انہیں ناکام بنانے کے لئے کون سے جتن نہ کئے گئے، لیکن ان کی قوت ارادی، ان کی حمیت ملی ان کی غیرت دینی سب پہ غالب آگئی، انہوں نے سب کو شکست دی —— شکست فاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ تاریخ دلچسپ بھی ہے، سبق آموز بھی، اور عبرت فزا بھی!

لیکن یہ تاریخ ہے کہاں؟

آزادی ہند کے بعد ہندوستان میں بہت سی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر کو مسخ کرنے کی اور ہندوؤں کے نقطۂ نظر کو صحیح ثابت کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ وی پی مینن سیکریٹری محکمہ امور ریاست حکومت ہند نے دو کتابیں لکھی ایک "انٹگریشن آف دی انڈین اسٹیٹس" اور دوسری "ٹرانسفر آف پاور ان انڈیا" یہ دونوں بڑی اہم، معرکہ آرا اور دستاویزی کتابیں ہیں۔ ان میں پس پردہ کارروائیوں کی پوری تفصیل ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان وطن دشمن تھے، کے، ایم منشی نے ایک نہایت دلچسپ کتاب حیدرآباد دکن کے سقوط پر "دی اینڈ آف این ایرا" کے نام سے لکھی اور ثابت کر دیا کہ حیدرآباد سزاوار تھا پولیس ایکشن کا، اس میں تصویر کا صرف ایک رخ پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ مسلمان ظالم تھے، ہندو مظلوم۔

لیکن اگر لائق علی نے داستانِ حیدرآباد لکھی ہوتی، اگر اختر حسین (سابق گورنر مغربی پاکستان) نے جو دی پی مینن کے رفیق کار تھے انتقال اختیارات کی کہانی بیان کی ہوتی۔ اگر قائداعظم نے اپنے میمائر قلمبند کئے ہوتے، اگر لیاقت علی خاں نے اپنے مشاہدات بیان کئے ہوتے، اگر ناظم الدین نے اپنے تاثرات پیش کئے ہوتے، اگر نشتر نے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہوتا تو تصویر کا دوسرا رخ بھی سامنے آجاتا اور دنیا دونوں رخ دیکھکر صحیح فیصلہ کر سکتی۔ کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کس کے ساتھ، اب تو تنہا پیش قاضی روی راضی آئی کی مثل صادق آ رہی ہے۔

ان حالات میں چودھری خلیق الزماں کی کتاب "پاتھ وے ٹو پاکستان" ایک عظیم کارنامہ ہے۔

چودھری صاحب ان خوش قسمت لوگوں میں ہیں جو تحریک خلافت، کانگرس اور مسلم لیگ میں عملی طور پر شریک رہے۔ جیل بھی گئے، تکلیفیں بھی اٹھائیں اور جہاں رہے، صفِ اول کے لیڈروں میں ان کا شمار ہوتا رہا۔ جب تک وہ خلافت میں رہے محمد علی شوکت علی کے چہیتے بنے رہے۔ کانگرس میں گاندھی جی، اور موتی لال کی صف میں بیٹھے جب لیگ میں شریک ہوئے تو آخر تک ورکنگ کمیٹی کے انتہائی سربرآوردہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور فعال و کارگزار ممبر رہے۔

چودھری صاحب نے تحریک خلافت سے لے کر قیام پاکستان تک کے سیاسی ادوار کا جائزہ لیا ہے ان کے نقطۂ نظر سے کہیں کہیں اختلاف ہو سکتا ہے، ان کے بیان کردہ واقعات میں بھی کہیں کہیں خامی نکالی جا سکتی ہے، ان کے اخذ کردہ نتائج سے بھی اختلاف کی کافی گنجائش ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنے موضوع پر یہ پہلی مستند اور قابل قدر کتاب ہے اور چونکہ اس موضوع پہ کوئی اور کتاب نہیں ہے اس لئے اس کی قدر و قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور سیاسی تاریخ کی اتنی جامع در مانع سرگزشت کسی ایک کتاب میں نہیں مل سکتی۔

اس کتاب میں شخصیتوں پر بھی گفتگو آ گئی ہے، یہ تبصرہ بھی ہے، جائزہ بھی، اور خود گزشت بھی۔ بعض واقعات ایسے ہیں جو حد درجہ دلچسپ بھی ہیں، مثلاً مسٹر ٹنڈن سے مباحثہ۔ ایک سفر کے موقع پر برف کا گلاس پیتے ہوئے دیکھ کر ٹنڈن جی نے کہا۔

آپ برف پیتے ہیں مجھے دیکھئے میں نے نمک چھوڑ رکھا ہے کئی کئی دن پانی نہ پیوں تو کوئی بات نہیں اور اس سے صحت بھی بہت اچھی رہتی ہے۔

چودھری صاحب نے جواب دیا لیکن میری صحت آپ سے اچھی ہے اور آج ۲۵ سال کے بعد بھی ان کا دعوٰی برقرار ہے۔

یہ کتاب لانگ مینس گرین اینڈ کمپنی کراچی نے شائع کی ہے۔ صفحات ۴۳۲ — قیمت چھبیس روپے کاغذ اور طباعت معیاری۔

© rasailojaraid.com